سورۃ القیامۃ کے چند نکات

افادات مولانا حمید الدین فراہیؒ

عبدالسلام ندویؒ

''ہمارے ناظرین کو معلوم ہے کہ جناب مولانا حمید الدین صاحب ایک مدت دراز سے عربی زبان میں قرآن مجید کی تفسیر لکھتے ہیں جس کے متفرق اجزا طبع بھی ہو چکے ہیں، حضرۃ الاستاذ کبھی کبھی اس تفسیر کے ٹکڑوں کو اپنے قلم سے اُردو میں ادا کر کے الندوہ میں شائع کیا کرتے تھے۔ آج ہم بھی الندوہ مرحوم کی تقلید میں ایک سورہ کی تفسیر کی تلخیص شائع کرتے ہیں۔ افسوس ہے کہ اردو میں عربی کا زور قائم نہ رہ سکا۔''

(۱) منکرین قیامت کے خیالات کا ابطال اس سورہ کا موضوع ہے، انکارِ قیامت کا خیال جیسا کہ خداوند تعالیٰ نے ان دونوں آیتوں میں:

كَلَّا بَلْ تُحِبُّوْنَ الْعَاجِلَةَ وَتَذَرُوْنَ الْآخِرَةَ (القیمۃ: ۷۵/۲۰-۲۱)	ہر گز نہیں، بلکہ تم لوگ دنیا کو دوست رکھتے ہو اور آخرت کو چھوڑتے ہو
فَلَا صَدَّقَ وَلَا صَلّٰى وَلٰكِنْ كَذَّبَ وَتَوَلّٰى ثُمَّ ذَهَبَ اِلٰى اَهْلِهٖ يَتَمَطّٰى (القیمۃ: ۷۵/۳۱-۳۳)	پس اس نے نہ سچ کہا اور نہ نماز پڑھی لیکن جھٹلایا اور پیٹھ پھیر لی اور اپنے اہل و عیال کے پاس اکڑتا ہوا گیا

بیان فرمایا ہے، دنیا کے عشق، اہل وعیال کی محبت اور عدم اطاعت الٰہی کی بنا پر پیدا ہوا تھا اور وہ لوگ اس انکار پر ایک عام شبہ سے دلیل لاتے تھے جس کو قرآن مجید نے ان کی زبان سے بار بار بیان کیا ہے، مثلاً:

أَإِذَا كُنَّا عِظَاماً نَّخِرَةً. (النّٰزعٰت: ۷۹/۱۱)	جب ہم سڑی گلی ہڈیوں کا ڈھیر ہو جائیں گے (اس وقت کیوں کر زندہ ہو سکیں گے)

خداوند تعالیٰ نے ان کی حالت کے اقتضا کے لحاظ سے اسی شبہ کو زائل کیا ہے اور اس

سورہ میں تشفی بخش، زواجر اور دلائل جمع کر دیے ہیں۔ چونکہ پہلی سورہ (مدثر) میں نہایت تصریح کے ساتھ ان کے استکبار و انکار کو بیان کر دیا گیا ہے اور اس میں ان کو شدت کے ساتھ ڈرایا گیا ہے، اس لیے خداوند تعالیٰ نے اس سورہ میں اس کو بہت وضاحت کے ساتھ نہیں بیان کیا بلکہ ان کو استدلالی طریقہ سے مخاطب کیا۔ قاعدہ یہ ہے کہ لوہار پہلے لوہے کو گرم کرتا ہے، پھر اس پر ہتھوڑا لگاتا ہے۔ اسی طرح سے جب ایک جھگڑالو اور مغرور قوم سے گفتگو کا موقع پیش آتا ہے تو یہی طریقہ اختیار کرنا پڑتا ہے۔ بہر حال باوجود اظہار غیظ و غضب کے اس سورہ میں پہلی سورہ (مدثر) کی طرح استکبار و انکار کی تصریح و توضیح نہیں ہے، اس سورہ میں خدا نے فرمایا ہے:

ذَرْنِیْ وَمَنْ خَلَقْتُ وَحِیْداً وَجَعَلْتُ لَهُ مَالاً مَّمْدُوداً وَبَنِیْنَ شُهُوداً وَمَهَّدتُّ لَهُ تَمْهِیْداً ثُمَّ یَطْمَعُ أَنْ أَزِیْدَ كَلَّا إِنَّهُ كَانَ لِآیَاتِنَا عَنِیْداً سَأُرْهِقُهُ صَعُوداً إِنَّهُ فَكَّرَ وَقَدَّرَ فَقُتِلَ كَیْفَ قَدَّرَ ثُمَّ قُتِلَ كَیْفَ قَدَّرَ ثُمَّ نَظَرَ ثُمَّ عَبَسَ وَبَسَرَ ثُمَّ أَدْبَرَ وَاسْتَكْبَرَ فَقَالَ إِنْ هَذَا إِلَّا سِحْرٌ یُؤْثَرُ إِنْ هَذَا إِلَّا قَوْلُ الْبَشَرِ سَأُصْلِیْهِ سَقَرَ وَمَا أَدْرَاكَ مَا سَقَرُ لَا تُبْقِیْ وَلَا تَذَرُ. (المدثر ۷۴: ۱۱-۲۸)

مجھ اور اس شخص کو چھوڑ دو جس کو میں نے اکیلا پیدا کیا ہے اور اس کو بہت سا مال اور سامنے رہنے والی اولاد دی ہے اور اس کے واسطے بچھونا بچھایا ہے باوجود اس کے وہ چاہتا ہے کہ میں ان چیزوں کو اور بڑھاؤں، ہرگز نہیں وہ ہماری آیات کا دشمن ہے، بہت جلد میں اس کو صعود پر چڑھاؤں، بیشک اس نے فکر اور اندازہ کیا، پس وہ مارا جائے کہ کیوں کر اندازہ کیا، پھر وہ مارا جائے کہ کیوں کر اندازہ کیا، پھر دیکھا، پھر تیوری چڑھائی اور منہ بنایا، پھر پیٹھ پھیری اور تکبر کیا، پھر کہا کہ یہ قرآن صرف ایک جادو ہے جو نقل کیا گیا ہے، نہیں ہے یہ مگر آدمی کا کلام، میں اس کو بہت جلد جہنم میں جھونک دوں گا وہ کیا جانے کہ دوزخ کیا ہے، وہ نہیں باقی رکھتی اور نہیں چھوڑتی

اور اخیر کی آیت تک میں اسی تصریحی اسلوب کو قائم رکھا ہے، چنانچہ ارشاد ہوا ہے:

فَمَا لَهُمْ عَنِ التَّذْكِرَةِ مُعْرِضِينَ كَأَنَّهُمْ حُمُرٌ مُّسْتَنفِرَةٌ فَرَّتْ مِن قَسْوَرَةٍ (المدثر: ۷۴/۴۹-۵۱)

تو وہ لوگ کیوں اس نصیحت سے منہ پھیرتے ہیں، گویا وہ بدکنے والے گدھے ہیں جو شیر سے بھاگے ہوئے ہیں

(۲) غرض ان تمام آیات پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اس سورہ اور پہلی سورہ (مدثر) کا موضوع اگرچہ ایک ہے لیکن پہلی سورہ میں جو تصریح ہے وہ اس سورہ میں نہیں ہے، لیکن بایں ہمہ اس سورہ میں بھی کسی قدر غصہ کا اظہار کیا گیا ہے، اس میں انسان کی سرکشی اور جرأت کا ذکر بھی ہے، اس کے سوال و جواب میں ٹھکرانے والی اور جھکانے والی دھمکی بھی موجود ہے۔ اس کی آیتوں میں بہ کثرت تہدید و استفہام بھی ہے۔ اس لحاظ سے اس سورہ کا اسلوب پہلی سورہ سے الگ نہیں ہے، بلکہ اسی کے ساتھ مربوط ہے۔ دیکھو انسان کس سرکشی اور جرأت سے کہتا ہے:

اَيَّانَ يَوْمُ الْقِيٰمَةِ (القیٰمۃ: ۷۵/۶) قیامت کا دن کب آئے گا

کیونکہ اتمام حجت کے بعد قیامت کا انکار صرف ضلالت و غوائت ہی کی بنا پر کیا جاسکتا ہے۔ اس لیے خدا نے سخت زلزلہ انگیز و رعشہ خیز جواب دیا یعنی قیامت کا دن نہیں بتایا بلکہ اس دن جو مناظر پیش آئیں گے ان کی تصویر کھینچ دی اور فرمایا:

فَإِذَا بَرِقَ الْبَصَرُ وَخَسَفَ الْقَمَرُ وَجُمِعَ الشَّمْسُ وَالْقَمَرُ يَقُولُ الْإِنسَانُ يَوْمَئِذٍ أَيْنَ الْمَفَرُّ. (القیٰمہ: ۷۵/۷-۱۰)

اور جب آنکھ چوندھیا جائے گی اور چاند گہنا جائے گا اور چاند اور سورج اکٹھے کیے جائیں گے تو انسان کہے گا کہ اب جائے گریز کہاں ہے

(۳) اس سورہ میں تہدید و استفہام کے جو مواقع ہیں ان کی تفصیل کی ضرورت نہیں لیکن اصول بلاغت کے مطابق یہ نکتہ بتا دینا چاہیے کہ جب غصہ کی حالت میں خطاب کیا جاتا ہے تو اس میں قدرتی طور پر ٹھہراؤ (فصل) بہ کثرت آتا ہے، گویا متکلم ٹھہر ٹھہر کے غصہ کو پیتا ہے، پھر نئے سرے سے گفتگو شروع کرتا ہے اور اپنے کلام کو کلمات تہدید پر ختم کرتا ہے۔ اس سورہ میں یہی اسلوب اختیار کیا گیا ہے اور اس لحاظ سے وہ سورہ علق، سورہ

تکاثر اور سورہ ہمزہ کے مشابہ ہے، کیوں کہ ان میں بھی خدا نے اپنے غیظ وغضب کا اظہار اسی طریقہ سے کیا ہے۔

اس تمہید کے بعد اب ہم آیت کے ٹکڑوں کی تفسیر کی طرف متوجہ ہوتے ہیں:

(۴) اس سورہ میں خدا نے قیامت کی جو قسم کھائی ہے اس میں شدت کے ساتھ زجر وتوبیخ پائی جاتی ہے کیوں کہ جب کوئی چیز بہت واضح ہوتی ہے تو خود اپنی دلیل بن جاتی ہے: آفتاب آمد دلیل آفتاب- اس لیے خدا نے گویا کہا کہ ''خود بخود عنقریب اس دن کو جان لوگے، بتانے کی ضرورت نہیں'' لیکن قرآن مجید کا یہ بھی اسلوب بیان ہے کہ وہ تہویل وتخویف کے بعد دلائل بھی بیان کرتا ہے، چنانچہ سورہ نبا میں پہلے تہدیدی طور پر فرمایا:

عَمَّ يَتَسَاءَلُونَ عَنِ النَّبَإِ الْعَظِيمِ	وہ لوگ کس چیز کو پوچھتے ہیں، بہت بڑی
الَّذِي هُمْ فِيهِ مُخْتَلِفُونَ كَلَّا	چیز کو جس میں وہ اختلاف کرتے ہیں،
سَيَعْلَمُونَ ثُمَّ كَلَّا سَيَعْلَمُونَ	ہرگز نہیں وہ عنقریب جان لیں گے اور
(النبا: ۷۸/۱-۵)	ہاں ہرگز نہیں وہ عنقریب جان لیں گے

پھر تہدیدی کلام کے بعد اثبات قیامت پر دلائل قائم کیے اور فرمایا:

اَلَمْ نَجْعَلِ الْاَرْضَ مِهَاداً (النبا:۷۸/۱-۶) کیا ہم نے زمین کو بچھونا نہیں بنایا؟

بعینہٖ اس آیت میں بھی قیامت کی قسم کھانے کے بعد جو ایک تہدیدی قسم تھی ایک دلیل قائم کی جو نہایت قریب الفہم ہے۔

(۵) یعنی خدا نے قیامت کی جو قسم کھائی اس میں خود قیامت سے وجود قیامت پر استدلال کیا، اس کے بعد نفس لوامہ کی قسم سے خود نفس بداہت سے دلیل لایا، کیوں کہ ہر شخص بدیہی طور پر جانتا ہے کہ وہ ایک حاکم کے زیر اقتدار ہے جو اس کا حساب لے گا، ورنہ اس کا نفس بعض افعال پر اس کو کیوں ملامت کرتا، اس سے ثابت ہوا کہ خود انسان کی فطرت کے اندر افعالِ قبیحہ سے روکنے کی طاقت موجود ہے خدا نے اسی حسِ بدیہی کو اس آیت میں:

بَلِ الْاِنْسَانُ عَلٰی نَفْسِہٖ بَصِیْرَۃٌ آدمی خود اپنے نفس کی دلیل ہے
(النبا:۸/۷۵/۱۴)

بصیر کے لفظ سے تعبیر کیا ہے۔

(۶) خداوند تعالیٰ نے جس طرح قیامت اور نفس لوامہ سے ایک ساتھ استدلال کیا، اسی طرح ان دونوں کی ایک مخصوص صفت کو ایک جگہ جمع کر دیا اور وہ صفت بصیرت ہے، کیوں کہ انسان باوجودیکہ اپنے افعال پر طرح طرح کے عذر پیش کرتا ہے اور حیلے ڈھونڈھتا ہے لیکن نفس کی ملامت باقی رہتی ہے، بجز اس حالت کے کہ انسان کا ضمیر بالکل مردہ ہو جائے اور اس وقت اس پر یہ آیت صادق آتی ہے:

خَتَمَ اللّٰہُ عَلٰی قُلُوْبِھِمْ (البقرہ:۲/۷) خدا نے ان کے دلوں پر مہر لگا دی ہے

اور یہی لوگ ہیں جن سے رسول اللہ ﷺ کو اعراض کرنے کی ہدایت کی گئی ہے کیونکہ ان پر کوئی نصیحت اثر نہیں کر سکتی، اس آیت میں بھی خدا نے ان لوگوں سے اعراض کا حکم دیا ہے جیسا کہ ہم لا تحرك به لسانك لتعجل به کی تفسیر میں بیان کریں گے۔

(۷) نفس لوامہ اور قیامت کے ایک جگہ جمع کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ ان دونوں میں ایک خاص قسم کی مناسبت ہے اور وہ یہ ہے کہ قیامت نفس کلی کی ملامت کرنے والی ہے کیونکہ عالم اپنے تربیت ونظام کی وجہ سے ایک شخص واحد ہے، اس لیے جس طرح ہر انسان میں ایک نفس لوامہ موجود ہے جو اس کے گزشتہ افعال پر ملامت کرتا ہے بعینہٖ اسی طرح تمام عالم کے لیے ایک عام نفس لوامہ ہے جو انسان کے گزشتہ اعمال کو اس کے سامنے کر دیتی ہے اور خدا نے اس آیت میں:

یُنَبَّؤُا الْاِنْسَانُ یَوْمَئِذٍ بِمَا قَدَّمَ وَأَخَّرَ آج کے دن انسان کو اس کے تمام اگلے
(القیمۃ:۵/۷۵/۱۳) پچھلے اعمال کی خبر دی جائے

اسی نکتہ کی طرف اشارہ کیا ہے۔

بعینہٖ اسی طرح ہر پیغمبر اپنی قوم کے لیے نفس لوامہ ہے اور رسول اللہ ﷺ اپنی بعثت عام کی بنا پر تمام عالم کے لیے نفس لوامہ ہیں اور آپ ﷺ اس حیثیت سے قیامت

کے مثل ہیں، جیسا کہ ہم نے کتاب ملکوت اللہ میں تفصیل کے ساتھ بیان کیا ہے اور اس کا ایک حصہ سورۂ صف کی تفسیر میں بھی مذکور ہے۔

(۸) چونکہ ابتداء میں اہل عرب تحمل شریعت کی صلاحیت اور استعداد نہیں رکھتے تھے جس کا اقتضاء یہ تھا کہ ان کے ساتھ رفق و ملاطفت کی جائے اس لیے شروع شروع میں وحی نہایت مختصر اور نہایت کم نازل ہوتی تھی اور اہل عرب سے اس وقت تک کے لیے تمہل آمیز اعراض کیا جاتا تھا جب تک ان کا جوش ٹھنڈا نہ ہو جائے، لیکن کفار کے مخاصمہ و مجادلہ کی حالت میں آپ کے لیے صرف قرآن ہی ایک تسکین بخش اور استقامت آفریں چیز ہوسکتی تھی اس کے ساتھ آپ تکمیل شریعت اور لوگوں کے ایمان کے سخت متمنی تھے، اس سے بھی بڑھ کر یہ کہ کفار طنزاً کہتے تھے:

لَوْلَا نُزِّلَ عَلَيْهِ الْقُرْآنُ جُمْلَةً وَاحِدَةً (الفرقان:۳۲/۲۵)

ان (محمد ﷺ) پر پورا قرآن ایک ہی بار کیوں نہیں نازل ہو جاتا

ان اسباب کی بنا پر جب آپ ﷺ پر نزول وحی ہوتا تو آپ اس کو نہایت شوق کے کے ساتھ زبان مبارک سے پڑھتے تھے اور اس کو ازبر یاد کر لیتے تھے کہ اثبات حق اور ابطال باطل کے لیے آپ کے ہاتھ خوب مضبوط ہو جائیں لیکن خدا نے اس تدریج و تمہل کی مصلحتیں آپ کو متعدد آیتوں میں بتلائیں مثلاً آیت میں:

وَلَا تَعْجَلْ بِالْقُرْآنِ مِن قَبْلِ أَن يُقْضَى إِلَيْكَ وَحْيُهُ وَقُل رَّبِّ زِدْنِي عِلْماًوَلَقَدْ عَهِدْنَا إِلَى آدَمَ مِن قَبْلُ فَنَسِيَ وَلَمْ نَجِدْ لَهُ عَزْما (طٰہٰ: ۲۰/۱۱۴-۱۱۵)

جب تک قرآن کی پوری وحی نازل نہ ہو جائے اور اس کے متعلق جلدی نہ کرو اور کہو کہ خداوند میرے علم کو بڑھا، ہم نے تم سے پہلے آدم کو وصیتیں کیں لیکن وہ بھول گئے اور ہم نے ان میں عزم نہیں پایا۔

خدا نے آپ ﷺ کو بتایا ہے کہ انسان ضعف عزم کی بنا پر دفعۃً تمام شریعت کا متحمل نہیں ہوسکتا اس لیے کل قرآن کے نزول کے لیے عجلت نہ کرو بلکہ جو کچھ ملے اس کو قبول کر لو اور یقین کرو کہ تکمیل یا تخفیف کے لیے ابھی اور کچھ باقی ہے اور خدا سے اضافۂ علم

کی درخواست کرو۔ غرض اس آیت میں انسان کے طبعی ضعف کے لحاظ سے خدا نے تدریج وتمہل کی مصلحت بتائی لیکن اس آیت میں:

لَا تُحَرِّكْ بِهِ لِسَانَكَ لِتَعْجَلَ بِهِ إِنَّ عَلَيْنَا جَمْعَهُ وَقُرْآنَهُ فَإِذَا قَرَأْنَاهُ فَاتَّبِعْ قُرْآنَهُ ثُمَّ إِنَّ عَلَيْنَا بَيَانَهُ كَلَّا بَلْ تُحِبُّونَ الْعَاجِلَةَ وَتَذَرُونَ الْآخِرَةَ (القیمۃ:۷۵/۱۶-۲۱)

قرآن مجید کے ساتھ اپنی زبان کو حرکت نہ دے تاکہ تو جلدی کرے، اس کے ساتھ اس کا جمع کرنا اور پڑھنا ہمارا کام ہے، پس جب ہم اس کو پڑھیں تو تو ہمارے پڑھنے کی پیروی کر اس کے بعد اس کا بیان کرنا ہمارے ذمہ ہے، ہرگز نہیں بلکہ تم لوگ دنیا سے عاجلہ کو دوست رکھتے ہو اور آخرت کو چھوڑ دیتے ہو

انسان کی استعداد و قابلیت کی بنا پر اس مصلحت کو سمجھایا ہے کیونکہ انسان میں فطرتاً ایک بصیرت موجود ہے اور وہ آہستہ آہستہ بلند ہونے کا طبعی شوق اپنے دل کے اندر رکھتا ہے لیکن دنیا سے عاجلہ کی محبت جیسا کہ خدا نے بیان فرمایا ہے:

خُلِقَ الْإِنسَانُ مِنْ عَجَلٍ (الانبیاء:۲۱/۳۷)

انسان عجلت سے پیدا کیا گیا ہے

إِنَّ الْإِنسَانَ خُلِقَ هَلُوعاً (المعارج:۷۰/۱۹)

انسان گھبرانے والا پیدا کیا گیا ہے

بذات خود ایک فطری چیز ہے اور وہ اس راہ میں رکاوٹ پیدا کرتی ہے، بہرحال انسان میں یہ دو متضاد طبعی قوتیں موجود ہیں اور اس لیے اس میں اجتہاد اور تربیت کا مادہ بھی فطرتاً ودیعت کیا گیا ہے تاکہ فطرت کا یہ بیج خود انسان کی قوائے فطری ہی کے ذریعہ سے نشو ونما پائے اور اس لیے مذہب میں جبر و اکراہ کی ممانعت کی گئی ہے تو اسی اصول کی بنا پر جب خدا نے اس سورہ میں یہ بیان کر دیا کہ خود انسان کے اندر ایک بصیرت اور نفس لوامہ موجود ہے تو پیغمبر کو اس کی تربیت کا طریقہ بتایا اور فرمایا کہ تم کو قرآن کے متعلق جلدی نہیں کرنی چاہیے

کیوں کر اس کے بعد بتایا کہ اس تدریج و تاخیر کی بنا پر وہ لوگ قرآن کے فوائد سے بے بہرہ نہیں ہیں کیوں کہ یہ تو عین اقتضائے حکمت ہے بلکہ دنیائے عاجلہ کی محبت اور محسوسات کی غلامی نے ان کو اندھا کر دیا ہے۔ انسان کے اندر خود بصیرت موجود ہے اور خدا نے اس کے لیے دلائل قائم کر دئے ہیں، بایں ہمہ وہ اپنے تمرد و طغیان کی بنیاد پر اس سے غفلت برتتا ہے، خدا نے ہی اس کے قریب قریب ان کی حالت پہلی سورہ میں بیان کی ہے اور فرمایا ہے:

فَمَا لَهُمْ عَنِ التَّذْكِرَةِ مُعْرِضِينَ كَأَنَّهُمْ حُمُرٌ مُّسْتَنفِرَةٌ فَرَّتْ مِن قَسْوَرَةٍ بَلْ يُرِيدُ كُلُّ امْرِئٍ مِّنْهُمْ أَن يُؤْتَىٰ صُحُفًا مُّنَشَّرَةً. (المدثر:۷۴/۴۹-۵۲)	وہ لوگ یاد دہانی سے کیوں اعراض کرتے ہیں گویا وہ بدکنے والے گدھے ہیں جو شیر سے بھاگے ہوئے ہیں بلکہ ہر آدمی یہ چاہتا ہے کہ اس کو کھلے ہوئے صحیفے دئے جائیں

لیکن خدا نے ان کی اس خواہش کا یہ جواب دیا ہے:

كَلَّا بَل لَّا يَخَافُونَ الْآخِرَةَ كَلَّا إِنَّهُ تَذْكِرَةٌ فَمَن شَاءَ ذَكَرَهُ. (المدثر:۷۴/۵۳-۵۵)	ہرگز نہیں بلکہ وہ لوگ آخرت کا خوف نہیں کرتے ہرگز نہیں یہ ایک یاد رکھنے والی چیز ہے جو چاہے اس کو یاد رکھے

قرآن مجید کی اور سورتوں (اعلیٰ، دہر) میں بھی اسی قسم کی آیتیں موجود ہیں جن سے قرآن مجید کے ترتیب و نظام میں نمایاں مطابقت نظر آتی ہے لیکن عام طور پر مفسرین کی نگاہ کلام کے اس ربط پر نہیں پڑی یہاں تک کہ قفال نے کہہ دیا کہ قیامت کے دن کفار سے یہ خطاب کیا جائے گا۔ قفال کے علاوہ اور مفسرین نے اگرچہ کلام کے اصل مقصد سے عدول نہیں کیا تاہم انھوں نے بھی اس آیت کو ایک الگ مستقل آیت سمجھا جو مضمون سورہ کے ساتھ مربوط نہیں ہے۔ اس کے نزدیک اثنائے قرأت میں رسول اللہ ﷺ نے حقیقۃً عجلت کی اور جبرئیل علیہ السلام نے آپ کو ان الفاظ میں اس عجلت سے منع کیا۔ یہ اگرچہ بالکل واقعہ ہے کہ آپ نے ان آیات کی تلاوت میں عجلت سے کام لیا، لیکن یہ کوئی

عارضی بات نہ تھی بلکہ یہ آپ کا عام طرز تھا اور چونکہ آپ کا یہ عجلت آمیز شوق متعدد اسباب کی بنا پر پیدا ہوا تھا، اس لیے خدا نے آپ کو متعدد طریقوں سے جیسا کہ ہم ابھی بیان کر آئے ہیں آپ کو تسکین دی۔

مفسرین کا یہ بھی خیال ہے کہ قرآن مجید کے ضائع و برباد ہونے کے خیال سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم یہ عجلت کرتے تھے اور یہ بالکل ایک واقعہ ہے، لیکن اس کے ساتھ اپنی قوم کی ہدایت کے لیے بھی آپ کو نزول وحی کا عاجلانہ اشتیاق تھا، اس لیے خدا نے اس سورہ کے ربط و نظام کو قائم رکھ کر آپ کو انہی دو امور کی بنا پر تسکین دی اور فرمایا کہ قبول وحی میں کیوں اس قدر مشقت برداشت کرتے ہو، قرآن مجید کی جمع و ترتیب اور اس کا تحفظ ہمارا فرض ہے، رہ گئی تمہاری قوم کی ہدایت تو وہ لوگ دنیا کی محبت میں ڈوبے ہوئے ہیں، اس لیے کم یا زیادہ جو کچھ بھی کہا جائے ان کے لیے برابر ہے۔ سورۂ اعلیٰ اور سورۂ دہر میں اس کو خدا نے تفصیل کے ساتھ بیان کیا تھا، اس بنا پر اس سورہ میں اس کا ذکر اجمال کے ساتھ کیا، لیکن ان دونوں سورتوں میں جو باتیں اجمالاً بیان کی تھیں اس سورہ میں اس کی تفصیل کر دی۔

(معارف، ۷/۱، جنوری ۱۹۲۱ء)